(۲۶)

(فرمودہ ۱۶۔ دسمبر ۱۹۳۶ء بمقام عید گاہ۔ قادیان)

دنیا میں دو قسم کی عیدیں ہوتی ہیں ایک عید مستقل عید ہوتی ہے اور ایک عید عارضی عید ہوا کرتی ہے۔ عارضی عیدوں کی مثال عید الفطر اور عید الاضحیہ ہیں یہ آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں لیکن ایک لمبے عرصہ کے بعد پھر ایک دن عید کا آجاتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد دوسری عید آجاتی ہے۔ ان دونوں عیدوں کا آپس میں تقریباً سوا دو مہینے کا فرق ہوتا ہے اور یوں سال سال کے بعد عید آتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے جمعہ کو بھی عید قرار دیا ہے۔[۱] اس لحاظ سے ایک عید ہر ساتویں دن بھی آجاتی ہے مگر بہرحال چھ دنوں کے گزرنے کے بعد وہ آتی ہے ہفتہ، اتوار، پیر، منگل، بدھ اور جمعرات ان دنوں میں جمعہ والی عید نہیں ہوتی بلکہ عید جمعہ کا دن ہے اور جب جمعہ گزر جاتا ہے تو پھر عام دن آجاتے ہیں۔ پھر جمعہ آتا ہے اور پھر عام دنوں کا تسلسل شروع ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہ تینوں قسم کی عیدیں عارضی ہیں مستقل عیدیں نہیں ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مومن کو یہ سبق دیا ہے کہ اسے اپنے روحانی مقام پر خوش نہیں ہو جانا چاہئے۔ اگر کوئی شخص جمعہ کے آنے پر بھول جائے۔ مثلاً طالب علم جمعہ کا دن آئے جو اس کے لئے چھٹی کا دن ہے تو چھٹی ملنے پر بھول جائے اور مدرسہ جانا چھوڑ دے تو دوسرے دن اس کو سزا ملے گی۔ ادھر اس کے ماں باپ اسے ناراض ہو کر گھر سے مدرسہ بھیجیں گے اور ادھر استاد اسے سزا دیں گے۔ یا عید کا دن آئے اور انسان سمجھ لے کہ بس عید آگئی اور روزے ختم ہو گئے۔ اس کے بعد جب پھر رمضان کا مہینہ آئے تو کہے کہ میں اب روزے نہیں رکھ سکتا کیونکہ عید جو آگئی تھی تو ایسا شخص اپنے ایمان کو کھو بیٹھے گا اور خدا تعالیٰ کی نظروں سے گر جائے گا۔ غرض یہ عیدیں انسان کو اس امر کی طرف توجہ دلاتی ہیں کہ روحانی مقام بھی عارضی مقام ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ایک احمدی تھے اب تو وہ فوت ہو چکے ہیں۔ ایک دوست نے سنایا کہ میں ان کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ سلسلہ کی ضروریات کے لئے چندہ دیں۔ وہ اچھے مال دار آدمی تھے مگر چندے کا ذکر سن کر کہنے لگے میں حضرت صاحب کے زمانہ میں بڑے

بڑے چندے دے چکا ہوں اور اب میں سمجھتا ہوں مجھ پر کوئی چندہ نہیں۔ نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ دوستوں نے ایک دن دیکھا کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تو وہ کہنے لگے میں نے بڑی نمازیں پڑھی ہیں۔ سرکار بھی ایک لمبے عرصہ تک کام لینے کے بعد پنشن دے دیتی ہے خدا کیوں نہیں دے گا۔ تو دیکھو ایک چیز انہیں دوسری طرف لے گئی۔ انہوں نے اتّکال کیا اور سمجھ لیا کہ میری عید آگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے چندہ گیا اور پھر نماز ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے رحم کیا کہ انہیں وفات دے دی ورنہ ممکن تھا وہ یہ بھی کہہ دیتے کہ خدا پر ہم بہت لمبا عرصہ ایمان لا چکے ہیں اب اس سے بھی پنشن ملنی چاہئے اور گو ان کا عملی حصہ چِھن گیا مگر وفات کی وجہ سے ان کا ایمانی حصہ محفوظ رہا۔ یہ تو نہایت نمایاں اور کھلی مثال ہے لیکن اس قسم کی چھوٹی مثالیں قریباً ہر شہر اور ہر محلّہ میں پائی جاتی ہیں۔ کچھ دنوں تک لوگوں میں خدمت دین کا جوش رہتا ہے اور وہ ہر قسم کی قربانیوں میں حصہ لیتے ہیں لیکن چند دنوں کے بعد ہی قربانیاں چھوڑ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم نے بہت کچھ کر لیا۔ یہ بے استقلالی کا مرض ہے جو لوگوں میں پایا جاتا ہے اور بے استقلالی غلط اتّکال کا نام ہوتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے میں نے بہت کچھ کرلیا اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہماری شریعت میں بہت کے معنی ہی کوئی نہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہیں کہتا کہ میں نے اپنے بندہ کو بہت دے دیا لیکن بندہ چند دن خدمت کر کے یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ میں نے بہت خدمت کرلی۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ بندے تو خدا تعالیٰ کے دین کے متعلق یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ اس نے بہت کچھ دے دیا۔ لیکن خدا یہ نہیں کہتا کہ میں نے اپنے بندے کو بہت کچھ دے دیا چنانچہ دیکھ لو آریہ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ کچھ مدت تک انسانی ارواح کو جنت میں رکھ کر خدا تعالیٰ پھر انہیں جنت سے نکال دے گا اور دنیا میں واپس بھیج دے گا۔ مثل مشہور ہے داتا دے اور بھنڈاری کا پیٹ پھٹے۔ خدا تعالیٰ تو کہتا ہے کہ میں اپنے بندوں کو ابدی جنت دوں گا لیکن آریہ کہتے ہیں کہ ابدی جنت کس طرح دے سکتا ہے۔ اگر وہ دینے لگے تو اس کا خزانہ **نَعُوْذُ بِاللّٰهِ** خالی ہو جائے۔ یہ اعتراض دراصل ان کی اپنی فطرت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ان کی اپنی فطرت میں چونکہ بُخل ہوتا ہے اور یہ کہنے کے عادی ہوتے ہیں کہ بہت کچھ دے چکے بڑی خدمتیں کرلیں اس لئے وہ خدا تعالیٰ کی طرف بھی وہی بات منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ جنت کی نعماء کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ**[۱] کہ ہم جو کچھ جنتیوں کو دیں گے وہ واپس نہیں لیں گے بلکہ ہمارا انعام برابر چلتا چلا

جائے گا۔ اور دراصل عام مومن کے لئے وہی حقیقی عید ہے گویا جو نہ ہٹنے والی عید عام مومن کے لئے ہے وہ جنت ہے اور جنت ہی بندے کا اصل مقام ہے جو بندہ اس دنیا میں اپنے روحانی کاموں کو چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔

مجھے ہمیشہ ایک لطیفہ یاد رہتا ہے ایک دفعہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد سے روانہ ہونے لگا تو ایک دوست نے کہا کوئی صاحب آئے ہوئے ہیں اور وہ کچھ باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کوئی غیر احمدی تھا جو ہوشیار پور کی طرف کا تھا وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا فرمائیے۔ وہ کہنے لگا اگر کوئی دریا کے دوسرے کنارے جانے کے لئے کشتی میں بیٹھ جائے تو کنارے پر پہنچ کر کیا کرے۔ اس سوال کے دو ہی جواب دیئے جا سکتے تھے کہ وہ اُتر جائے یا بیٹھا رہے اور عام حالات میں انسان یہی جواب دے سکتا ہے کہ جب دریا کا کنارہ آجائے تو عقلمند آدمی کا کام یہی ہے کہ کشتی سے اُتر جائے۔ پس اپنے خیال میں اس نے ایک چیستان ڈالی تھی اور اس کا خیال تھا کہ میں یہی جواب دوں گا کہ جب کنارہ آجائے تو انسان اتر جائے اور میرے اس جواب پر اس نے پھر دوسری بات یہ کہنی تھی کہ بہت اچھا جب انسان کو خدا مل گیا تو پھر اسے عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر جونہی اس نے یہ سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سوال کی حقیقت مجھ پر ظاہر کر دی اور میں نے اسے یہ جواب دیا کہ اگر تو جس دریا میں وہ کشتی پر سوار ہے اس کا کوئی کنارہ ہے تو بے شک جب کنارہ آئے تو اُتر جائے لیکن اگر اس دریا کا کوئی کنارہ نہیں تو پھر وہ جہاں اُترا ڈوبا۔ میرے اس جواب پر وہ حیران سا رہ گیا اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا تو پھر یہ عبادتیں ہمیشہ ہی کرنی پڑیں گی۔ وہ شخص دراصل عام فقیروں سے اس قسم کی باتیں سن کر آیا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ نماز پڑھی جاتی ہے خدا تعالیٰ سے ملنے کے لئے لیکن جسے خدا تعالیٰ مل گیا اسے نماز کی کیا ضرورت ہے۔ روزے رکھے جاتے ہیں خدا تعالیٰ سے ملنے کے لئے لیکن جسے خدا مل گیا اسے روزوں کی کیا ضرورت ہے اسی طرح زکوٰۃ دی جاتی ہے خدا سے ملنے کے لئے لیکن جسے خدا مل گیا اسے زکوٰۃ کی کیا ضرورت ہے۔

غرض جتنی نیکیاں ہیں وہ خدا تعالیٰ سے ملنے پر ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ نیکیاں سواری کی طرح ہوتی ہیں اور جب انسان گھر پہنچ جائے تو سواری پر بیٹھا رہنا بے وقوفی ہوتی ہے۔ میں نے اس کے اعتراض کو سمجھ کر یہی جواب دیا کہ جب منزل مقصود محدود ہو تو انسان سواری سے اُتر

پڑے لیکن جب منزل مقصود غیر محدود ہو تو سواری سے اترنے کے معنی ہی کیا ہوئے وہ تو جہاں اُترے گا وہیں تباہ ہو گا۔ غرض میرے دل پر اللہ تعالیٰ نے حقیقت کو منکشف کر دیا اور میں نے اسے یہی کہا کہ غیر محدود دریا میں کشتی سے اُترنے والا ڈوبے گا نجات نہیں پائے گا۔ اسی طرح بہت سے لوگ دنیا میں موجود ہیں جو گو ایسے فقیروں کے مرید نہیں ہوتے مگر اس قسم کے خیالات میں مبتلاء ہوتے ہیں۔ وہ چُھپے رہتے ہیں اور لوگوں کو ان کے خیالات کا علم نہیں ہوتا لیکن ایک دن آتا ہے کہ وہ ننگے ہو جاتے ہیں اور ان کے عقائد لوگوں پر کُھل جاتے ہیں اور گو وہ بظاہر ان فقیروں کے قائل نہیں ہوتے لیکن عملاً انہی کے قائل ہوتے ہیں۔ اور کچھ دن نمازیں پڑھتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ نمازیں بہت پڑھ لیں اب انہیں نمازوں کی ضرورت نہیں رہی وہ کچھ دن روزے رکھتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے بہت روزے رکھ لئے اب انہیں روزوں کی ضرورت نہیں رہی' وہ چند دن صدقہ و خیرات دیتے ہیں اور خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ اب صدقہ و خیرات دینے کی انہیں ضرورت نہیں رہی کیونکہ وہ بہت صدقہ دے چکے حالانکہ وہ اپنے کھانے پینے اور پہننے میں کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم نے بہت کھالیا یا بہت پی لیا یا بہت پہن لیا وہ کچھ دن روٹی کھانے کے بعد یہ نہیں کہتے کہ ہم نے بہت روٹی کھالی اب ہمیں روٹی کھانے کی ضرورت نہیں' وہ کچھ دن پانی پینے کے بعد یہ نہیں کہتے کہ ہم نے بہت پانی پی لیا اب ہمیں پانی پینے کی ضرورت نہیں' وہ کچھ دن کپڑے پہننے کے بعد یہ نہیں کہتے کہ ہم نے بہت کپڑے پہن لئے اب ہمیں کپڑوں کی ضرورت نہیں اور اب آئندہ نہ تو کھانا کھانے کی ضرورت ہے نہ پانی پینے کی ضرورت ہے نہ کپڑے پہننے کی ضرورت ہے بلکہ وہ اپنے جسم کی طاقت قائم رکھنے اور بدن کو سردی گرمی کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں مگر روح کی طاقت کا جہاں سوال آتا ہے وہ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم نے بہت عبادتیں کر لیں اب نماز روزے کی کیا ضرورت ہے۔ گویا جسمانی غذا کے متعلق تو انسان ہمیشہ یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے فلاں فلاں غذا ملتی رہنی چاہئے مگر روحانی غذا کے متعلق وہ ہمیشہ اس طرف مائل رہتا ہے کہ میں اس غذا کو کسی وقت چھوڑ دوں حالانکہ جس طرح انسان کو جسمانی غذا کی ہر وقت ضرورت ہے اسی طرح اسے روحانی غذا کی بھی ہر وقت ضرورت ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ کچھ عرصہ تو نمازیں پڑھی جاتی ہیں' روزے رکھے جاتے ہیں اور دوسرے احکامِ شریعت پر عمل کیا جاتا ہے لیکن جونہی چند خوابیں آئیں یا بعض آسمانی

برکات و فیوض سے اسے حصہ ملا اس نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ اب مجھے ان عبادتوں کی کوئی ضرورت نہیں رہی میں مادر پدر آزاد ہو گیا۔ مجھے نہ نماز کی ضرورت ہے' نہ روزہ کی ضرورت ہے' نہ زکوٰۃ کی ضرورت ہے' نہ حج کی ضرورت ہے' نہ نظام سلسلہ کی پابندی کی ضرورت ہے' نہ فرمانبرداری اور اطاعت کی ضرورت ہے اب خدا تعالیٰ سے براہ راست میرا اتّصال ہو گیا۔ اس احمق کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے گورنر جب بادشاہ سے ملنے کے لئے جاتا ہے تو بعض دفعہ بادشاہ اس گورنر کے چپڑاسی سے بھی ہنس کر بات کر لیتا ہے۔ اس پر اگر وہ چپڑاسی نوکری چھوڑ دے اور یہ سمجھنے لگ جائے کہ اب میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں کہ بادشاہ مجھ سے براہ راست گفتگو کر سکتا ہے تو وہ نادان ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ جس وقت گورنر چلا جائے گا اور وہ وہیں رہے گا تو اسے کان پکڑ کر باہر نکال دیا جائے گا اور جس دن وہ گورنر کی نوکری سے الگ ہو جائے گا کوئی اسے اپنے دروازہ میں بھی گھُسنے نہیں دے گا۔

درحقیقت کسی وقت چپڑاسی سے بادشاہ کا کلام کرنا چپڑاسی سے کلام کرنا نہیں بلکہ گورنر سے کلام کرنا ہے اور اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے ہمارے پاس جب کوئی دوست ملنے آتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی چھوٹا بچہ ہوتا ہے تو ہم اس چھوٹے بچے کو بھی پیار کر دیتے ہیں۔ اب اس بچہ سے پیار کرنا دراصل اس دوست سے اپنی محبت کا اظہار کرنا ہے ورنہ بچے سے ہمیں کونسی محبت ہو سکتی ہے۔ وہ تو جب بڑا ہو گا تب معلوم ہو گا کہ وہ ہم سے دوستی رکھتا ہے یا دشمنی لیکن اب جو ہم اسے پیار کرتے ہیں تو دراصل اپنے دوست کے لئے۔ اور چونکہ ہمارے دوست کے اعمال ظاہر تھے اور ہم جانتے تھے کہ وہ ہم سے محبت کرتا ہے اس لئے ہم نے اس کے بچہ سے بھی پیار کر دیا۔ پس کئی لوگ اس بیوقوفی کی وجہ سے کہ ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیض نازل ہو چکا ہے سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمیں کسی خدمت کی ضرورت نہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مارے جاتے ہیں اور تباہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک عارضی عید کو مستقل عید سمجھ لیتے ہیں اور اس طرح روحانی لحاظ سے ہلاک ہو جاتے ہیں حالانکہ مستقل عید مرنے کے بعد کی عید ہے یا اس شخص کے لئے مستقل عید ہے جو اپنی زندگی میں ہی مر گیا مگر عمل ایسے شخص سے بھی معاف نہیں ہوتے۔ دوسری بیوقوفی یہ ہوتی ہے کہ لوگ عمل کو سزا سمجھتے ہیں حالانکہ اگر عمل کرنا سزا ہے تو پھر غذا بھی سزا ہے کیونکہ آخر روٹی کھانا بھی ایک عمل ہے' پانی پینا بھی ایک عمل ہے اور کپڑا پہننا بھی ایک عمل ہے مگر جسمانیات

میں تو لوگوں کی یہ عادت ہے کہ انہیں جتنی جتنی طاقت ملتی ہے اتنا ہی وہ کھانے پینے اور پہننے کے عمل کو زیادہ کرتے جاتے ہیں کم نہیں کرتے۔ چنانچہ دیکھ لو ایک طاقتور آدمی اپنی روٹی کم نہیں کرتا بلکہ اپنی سابقہ نسبت سے زیادہ کر دیتا ہے یا جب آدمی مالدار ہو جائے تو اپنے کپڑوں کی تعداد کم نہیں کر دیتا بلکہ زیادہ کر دیتا ہے مگر روحانیات میں لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی غذا کم ہو جائے حالانکہ روحانیت رکھنے والے افراد بھی جُوں جُوں انہیں روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے اپنی روحانی غذا کو زیادہ کرتے جاتے ہیں کم نہیں کرتے۔ ایک پہلوان کی غذا اور بچہ کی غذا میں کیا فرق ہے یہی کہ بچہ کم کھاتا ہے اور پہلوان زیادہ کھاتا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں وہ روحانی پہلوان ہونے کا دعویٰ تو کر دیں مگر اپنی غذا بچے والی رکھیں۔ کیا تم نے کبھی دیکھا کہ کسی پہلوان نے چوسنی سے دودھ پینا شروع کر دیا ہو اور وہ یہ کہتا ہو کہ اب چونکہ میں پہلوان ہو گیا ہوں اس لئے میں چوسنی سے دودھ پیتا ہوں۔ جب نہیں بلکہ دنیا کے جسم کے معاملہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ پہلوان اور بچہ کی کیا نسبت ہے تو روحانی معاملات میں بھی کی طرف آنا بھی کسی روحانی آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ تم نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا کہ ایک مضبوط پہلوان یہ کہے کہ ایک دودھ کی کٹوری مجھے سیر کرنے کے لئے کافی ہے۔ سیر بھر دودھ اور دوسری مقوی غذاؤں کی مجھے ضرورت نہیں۔ مگر روحانی معاملہ میں جہاں انسان پر ذرا سا بھی الٰہی فیضان نازل ہو وہ کمزوری دکھانا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے اب مجھے ان مجاہدات کی کیا ضرورت ہے ایسا خیال جنون کی علامت تو ہو سکتا ہے مگر عقل کی علامت نہیں کہلا سکتا۔

غرض عمل کسی صورت میں ترک نہیں کیا جا سکتا نہ اس دنیا میں نہ اگلے جہان میں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اگلے جہان جو مومن کی مستقل عید ہوگی اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب یہ انعام ضائع نہیں ہو سکتا ورنہ کام اس جگہ بھی نہیں چھوڑا جائے گا۔ آخر عید کے دن خدا تعالیٰ نے کوئی نماز معاف تو نہیں کر دی بلکہ ایک نماز اس نے زائد کر دی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی اور روحانی عید کام چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ کام میں زیادتی کرنے کا نام ہے۔ غرض عمل کسی صورت میں نہیں چھوڑا جا سکتا نہ اس جہان میں نہ اگلے جہان میں۔ ہاں انعام مستقل ہو سکتا ہے اور وہ کبھی اس دنیا میں بھی مستقل طور پر انسان کو حاصل ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس دنیا میں زندہ رہتے ہوئے مر جاتے ہیں ان کا انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقل ہو جاتا ہے گویا ایسے لوگوں پر اسی دنیا میں یَوْمَ الْبَعْث آ جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ

شیطان نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ مہلت دی جائے تاکہ میں لوگوں کو يَوْمَ الْبَعْثِ تک ورغلاؤں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جس پر يَوْمَ الْبَعْثِ آ جائے اس کی عید اسی دنیا سے مستقل ہو جاتی ہے اور وہ اپنے درجہ سے گرتا نہیں۔ رسول کریم ﷺ پر یہ عید اسی دنیا میں آگئی تھی اور آپؐ ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے کہ آپؐ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ گر سکیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا محمد ﷺ نے عمل کرنا چھوڑ دیا' کیا انہوں نے نمازیں ترک کر دیں' روزے رکھنے بند کر ڈیئے اور اسی طرح شریعت کے دوسرے احکام پر انہوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی وہ دن آیا مگر کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشاعت دین کا کام چھوڑ دیا اور خدمت خلق ترک کر دی؟ ہم تو یہی دیکھتے کہ آپ رات اور دن برابر کام کرتے رہتے تھے۔ پس کام چھوڑنے کا نام عید نہیں بلکہ کام میں زیادتی اور خوشی کا نام عید ہے۔ چنانچہ دیکھ لو جس دن ہم عید پڑھتے ہیں اس دن پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز بھی ہمیں پڑھنی پڑتی ہے لیکن چونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس سے روحانیت ترقی کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور اس کی محبت انسان کو میسر آتی ہے اور یہ نہ صرف ہمارا عقیدہ ہے بلکہ ہماری جماعت میں سے ایک حصہ تجربہ کر کے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو دیکھ چکا ہے اس لئے یہ زائد عبادت بجائے بوجھ ہونے کے ہمارے لئے خوشی کا موجب ہو جاتی ہے لیکن جسے اس حقیقت کا علم نہ ہو اور وہ عید کا مطلب صرف یہ سمجھتا ہو کہ اچھے کپڑے پہن لئے اور عمدہ کھانا کھا لیا وہ یہی کہے گا کہ اچھی مصیبت آئی آگے تو پانچ نمازیں تھیں اور آج جو عید کا دن آیا تو چھ نمازیں کر دیں۔ پھر اس نماز کے ساتھ خطبہ بھی رکھ دیا۔ گویا چھٹی نماز کے بعد بھی جتنا وقت انسان اپنے گھر میں صرف کر سکتا ہے اتنا وقت بھی نہ رہنے دیا اور اس میں سے بھی ایک حصہ خطبہ کے لئے رکھ لیا۔ مگر یہ نادانی ہے اور ایسی باتوں کا اُسی وقت خیال آتا ہے جب کام کی حقیقت انسان پر واضح نہیں ہوتی ورنہ وہ لوگ جن پر يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ والی کیفیت طاری ہو جائے وہ کام کو بوجھ نہیں سمجھتے بلکہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ جیسے باپ جب اپنی اولاد کے لئے کوئی کام کرتا ہے تو بجائے بوجھ سمجھنے کے خوش ہوتا ہے' یا ایک خدا پرست ڈاکٹر جو خدمت خلق میں مشغول رہتا ہے اور چاہے رات ہو یا دن مریضوں کو دیکھنے کے لئے چلا جاتا ہے وہ اس خدمت کو بوجھ نہیں سمجھتا بلکہ خوشی محسوس کرتا ہے یا ایک علم پڑھانے والا استاد جو چاہتا ہے کہ ہر وقت بچوں کو علم سکھاتا

رہے اور رات دن اس کام میں لگا رہے وہ اس کام کو بوجھ نہیں سمجھتا بلکہ خوش ہوتا ہے کہ اسے خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔ پس جب بشاشتِ قلب پیدا ہو جائے تو عمل خوشی کا موجب ہو جاتا ہے اور اگر بشاشتِ قلب پیدا نہ ہو تو عمل تکلیف کا موجب ہوتا ہے اور ایمان کا نام ہی رسول کریم ﷺ نے بشاشتِ قلب [۵] رکھا ہے۔ پس جسے کامل ایمان مل جاتا ہے اسے کامل بشاشت حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا [۶] کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عمل کرتے کرتے بالکل اس میں محو ہو جاتے ہیں اور ان کے دل کی تمام گرہیں کُھل جاتی ہیں پھر وہ اس کام میں خوشی اور بشاشت محسوس کرنے لگتے ہیں اور فرمایا یہی لوگ ہیں جو کامل مومن ہیں۔ پس حقیقی عید وہی ہے جب انسان کو عمل میں خوشی محسوس ہونے لگے اور وہ کام کو بوجھ نہ سمجھے بلکہ اسے جتنی زیادہ خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرنی پڑے' یا بندوں کے لئے قربانی کرنی پڑے' یا نظام سلسلہ کے لئے قربانی کرنی پڑے' یہ تمام قربانیاں اس کے دل میں راحت پیدا کریں اور اس کی خوشی اور اطمینان کا موجب بنیں اور ان باتوں کے حصول کی وجہ سے کام کو وہ دوبھر نہ سمجھے بلکہ کام میں اسے لذت آنے لگے۔ یہ مقام کبھی عارضی ہوتا ہے اور کبھی مستقل۔ جب عارضی ہو تو اس کی مثال اس عید کی سی ہوتی ہے جو آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ پھر کسی کے لئے ایک ہی عید آتی ہے کسی کے لئے دو عیدیں آتی ہیں اور کسی کے لئے ہر چھٹے دن عید آجاتی ہے اور کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس کے لئے ہر روز روزِ عید ہوتا ہے کیونکہ اس کی عید ۲۴ گھنٹوں والے دن میں نہیں آتی بلکہ اس کے لئے خدا تعالیٰ وہ دن عید کے لئے مقرر کرتا ہے جس کے متعلق فرماتا ہے فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ [۷] یعنی خدا تعالیٰ کے بعض کام ایسے دن میں بھی ہوتے ہیں جو تمہارے اندازہ کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ ایسے ہی ایک بزرگ تھے جو دن رات خدمتِ دین میں مشغول رہتے اور اپنی روزی کمانے کا کوئی فکر نہ کرتے۔ ایک دوسرے بزرگ نے جو ان کے درجہ کو نہیں سمجھتے تھے ایک دن انہیں نصیحت کی کہ آپ کو کچھ کام بھی کرنا چاہئے اور محنت کر کے روزی کمانی چاہئے۔ انہوں نے کہا دیکھئے صاحب! میں اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوں اور اگر مہمان خود کھانا پکانے لگ جائے تو میزبان کی اس میں کیسی ہتک ہوتی ہے۔ پس اگر میں اپنی روزی کا فکر کروں گا تو میرا خدا مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ وہ بھی آخر عالم تھے یہ سن کر کہنے لگے آپ نے بات تو معقول کہی مگر رسول کریم

ﷺ نے فرمایا ہے مہمانی تین[۸] دن ہوتی ہے آپ کی مہمانی اب لمبی ہو گئی ہے پس یہ مہمانی نہیں رہی بلکہ سوال ہے۔ انہوں نے کہا یہ سوال ہو گا ان کے لئے جن کا دن چوبیس گھنٹے کا ہے میں تو اس دن کا قائل ہوں جس کے متعلق وہ فرماتا ہے **فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ** جس دن تین ہزار سال مہمانی کے پورے ہو گئے اس دن میں اپنا کام شروع کر دوں گا جس کے معنی یہ ہیں کہ اس دنیا میں وہ مہمان ہی مہمان تھے۔

اس مقام پر پہنچا ہوا انسان جس کو خدا نے یہ کہہ دیا ہو کہ اب تیری عید میں نے مستقل کر دی ہر قسم کے تنزل کے خوف سے محفوظ ہو جاتا ہے لیکن کام وہ بھی نہیں چھوڑتا کیونکہ یہ مقام ملتا ہی ایسے شخص کو ہے جسے کام میں لذت آنی شروع ہو جائے۔

اگر کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو پانچ مہینے مارفیا کی پچکاری کرتا رہے اور پھر اسے کہہ دے کہ اب جانے دو مارفیا کی پچکاری کی ضرورت نہیں تو وہ مریض مارفیا کی پچکاری کو نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ اس کی اس کو عادت ہو جاتی ہے لیکن جو عادت مارفیا یا افیون کی ہے اس سے بہت زیادہ نیک کام کرنے کی عادت ہوتی ہے اور جب کسی انسان کو نیک کام کی عادت ہو تو چاہے اسے مارو پیٹو وہ اسے نہیں چھوڑ سکتا۔

دیکھتے نہیں ہو اللہ تعالیٰ کے نبیوں پر لوگ ایمان لاتے ہیں پھر مخالف انہیں مارتے ہیں' ستاتے ہیں' گالیاں دیتے ہیں' بائیکاٹ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی مجلس میں نہ جاؤ۔ مگر جونہی وہ آزاد ہوتے ہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے نبی کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے ایسے دکھ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والوں کو دیئے گئے ہیں کہ جن کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی مگر انہی حالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جونہی ان کے ہاتھ پاؤں کھلے وہ دوڑ کر اپنے نبی کے پاس پہنچ گئے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ[۹] کی مثال ہی احادیث میں پائی جاتی ہے۔ جب وہ پہلے پہل رسول کریم ﷺ پر ایمان لائے تو اس وقت تک بہت تھوڑے لوگ آپؐ پر ایمان لائے تھے۔ سولہ سترہ کے قریب آدمی تھے جو اسلام میں داخل تھے انہوں نے کسی مسلمان سے رسول کریم ﷺ کی باتیں سنیں تو آپؐ پر ایمان لے آئے لیکن عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میرے قبیلہ کے لوگ چونکہ ابھی ایمان نہیں لائے اس لئے آپؐ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنا ایمان اس وقت تک چھپائے رکھوں جب تک کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ رسول کریم ﷺ نے

انہیں اجازت دے دی لیکن آپ جب رسول کریم ﷺ کی مجلس سے اُٹھ کر باہر آئے تو دیکھا کہ ایک جگہ کفار کی مجلس لگی ہوئی ہے اور مکہ کے بڑے بڑے عمائد رسول کریم ﷺ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ ان سے برداشت نہ ہو سکا اور انہوں نے زور سے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ایسے شدید دشمنوں کے پاس جنہیں اپنی طاقت و قوت پر بھی بہت گھمنڈ تھا جب انہوں نے بلند آواز سے کلمہ پڑھا تو کفار کو جوش آگیا اور انہوں نے آپ کو اتنا مارا کہ آپ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ حضرت عباس ؓ کہیں پاس سے گذرے تو انہوں نے کفار سے کہا غفار قبیلہ سے تمہارے پاس غلہ آتا ہے اگر تم اسے نہ چھوڑو گے اور اس کی قوم نے اس کا ساتھ دیا تو تمہارے پاس غلہ آنا بند ہو جائے گا اور تم بھوکے مرجاؤ گے اس لئے بہتر ہے کہ اسے چھوڑ دو۔ آخر بڑی مشکلوں سے انہوں نے حضرت ابوذر ؓ کو ان کے ہاتھ سے چھڑایا۔ وہ گھر گئے اور چند دن ٹکوریں کرتے رہے۔ جب آرام آگیا تو باہر نکلے اور دیکھا کہ کفار کی پھر ایک مجلس لگی ہوئی ہے اور وہ رسول کریم ﷺ کو بُرا بھلا کہہ رہے ہیں انہیں پھر جوش آگیا اور وہ بلند آواز سے کہنے لگے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ انہوں نے پھر آپ کو مارا اور شدید طور پر زخمی کر دیا۔ وہ پھر گھر میں زخموں کا چند دن علاج کرنے کے بعد جب باہر نکلے تو اسی طرح ایک اور مجلس میں انہوں نے بلند آواز سے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا اور لوگوں نے پھر انہیں مارا۔ اب دیکھو یہ ایک لذت تھی جو انہیں آرہی تھی اور جس کے نتیجہ میں وہ بار بار اپنے اسلام کا ذکر کرتے اور بار بار لوگوں سے مار کھاتے اور گو رسول کریم ﷺ کی طرف سے انہیں اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اپنے اسلام کو چھپائیں لیکن عمل کی لذت کی وجہ سے وہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے ماریں کھائیں۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک بچہ تھا بارہ تیرہ سال اس کی عمر تھی کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بچہ تھا لیکن چونکہ وہ مسلمان ہو گیا اور اس کے ماں باپ سخت متعصب تھے اس لئے جب کھانا کھانے کا وقت آتا تو اُس کی ماں اس کے آگے اس طرح روٹی پھینک دیتی جس طرح کتے کے آگے روٹی پھینکی جاتی ہے برتن میں وہ اس لئے رکھ کر نہ دیتی کہ اس طرح برتن پلید ہو جاتا ہے۔ آخر جب اسلام پر وہ مضبوطی سے قائم رہا تو اسے ماں باپ نے گھر سے نکال دیا اور کہا یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانا چھوڑ دے یا گھر سے چلا جا۔ اس نے گھر چھوڑ دیا اور غالباً حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلا گیا۔ سالہا سال کے

بعد وہ واپس آیا۔ اس کی ماں کو پتہ لگا تو اس نے کہلا بھیجا کہ میں تجھ سے ملنا چاہتی ہوں مجھے آکر مل جاؤ۔ وہ چھوٹی عمر کا بچہ تھا جب وہ اپنے والدین سے جُدا ہوا۔ پھر وہ اپنے والدین کا اکلوتا بچہ تھا وہ سالہا سال اپنے گھر سے باہر رہنے کی وجہ سے خیال کرتا تھا کہ شاید اس کی ماں کے دل میں نرمی پیدا ہو گئی ہو گی مگر جب وہ اپنی ماں سے ملنے کے لئے گیا تو اس نے بڑے پیار سے اپنے بیٹے کو گلے لگاتے ہوئے کہا بیٹا اب تو امید ہے کہ تم اس صابی کے پاس نہیں جاؤ گے۔ وہ صحابی فوراً علیحدہ ہو گیا اور اس نے کہا۔ اماں میں نے تو سمجھا تھا کہ میرے دور جانے کی وجہ سے تمہارا بُغض دُور ہو گیا ہو گا [۱۲] مگر تمہاری کیفیت تو اب تک وہی ہے۔ میں تمہاری وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کہہ کر وہ نوجوان اسی وقت گھر سے نکل گیا اور پھر اس نے کبھی اپنی ماں کا منہ نہیں دیکھا۔ پس حقیقی عید وہی ہے جس میں انسان کو عمل میں لذت محسوس ہونے لگے اور وہ خدا کے لئے ہر قسم کی قربانیوں کی آگ میں کودنے کے لئے تیار رہے اور کبھی ترک عمل کے قریب بھی نہ جائے۔ یہ مقام جب کسی فرد یا قوم کو حاصل ہو جاتا ہے تو اسے حقیقی عید میسّر آجاتی ہے اور دینی اور دنیوی مقاصد میں وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ پس کوشش کرو کہ تمہیں یہ عید میسّر آئے اور تمہاری تمام تر لذت اور تمہاری ساری خوشی اسی بات میں ہو جائے کہ تم خدا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دو اور اسی کو اپنی عید سمجھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور وہ تمہیں اس حقیقی عید سے حصہ دے جس کے میسّر آنے کے بعد دنیا کی کوئی تکلیف انسان کو پریشان نہیں کر سکتی۔

(الفضل ۲۲۔ فروری ۱۹۶۳ء)

---

۱ **صحیح بخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی۔**
سنن ابی داؤد باب **اذا وافق یوم الجمعة یوم عید**

۲ **ھود:۱۰۹**

۳ **الاعراف:۱۵، ۱۶** نوٹ ۴ صفحہ ۳۰۶ تفسیر صغیر

۴ **الحجر:۳۷**

۵

۶ **النّٰزعٰت:۲، ۳** ۷ **السجدة:۶**

۸ صحیح بخاری کتاب الاداب باب **اکرام الضیف و خدمته**

۹ قبیلہ غفار۔ نام۔ بریر بن جنادۃ یا جندب بن جنادۃ

۱۰ عم رسول اللہ ﷺ ابن عبد المطلب۔ بنو ہاشم ۶۸۔۵۶۷ء، ۸۸ھ / ۵۳۔۶۵۲ء

۱۱ صحیح بخاری کتاب المناقب باب قصۃ زمزم۔ طبقات ابن سعد۔ القسم الاول جزء ۴ صفحہ ۱۶۵

۱۲